# شخصیتِ انسانی کا امتیاز

ڈاکٹر محمد رفعت

انسانی شخصیت کے بارے میں غور کرنے والے اس امر پر تو متفق ہیں کہ انسان محض طبعی اور جسمانی وجود نہیں ہے، بلکہ اس کی شخصیت، مادّی سطح سے بالاتر واقع ہوئی ہے۔ البتہ اس امر میں اُن میں اختلاف ہے کہ انسانی وجود کے ان اعلیٰ اور بلند تر پہلوؤں کی صحیح تعبیر کیا ہے۔ انسان کی ماہیت کے بارے میں سوچنے والوں میں جو افراد، انکارِ غیب کا رجحان رکھتے ہیں وہ انسانی شخصیت کے طبعی اور مادّی پہلوؤں کے علاوہ عموماً صرف یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ انسان غور و فکر اور تجزیے کی صلاحیت رکھتا ہے، ادراک و شعور کی لطیف قوتوں سے بہرہ ور ہے اور اس کے اندر جمالیاتی حس پائی جاتی ہے لیکن اس سطح سے آگے، وہ انسان کے اندر مادّی خصوصیات سے بالاتر، کسی وصف کی شناخت سے قاصر ہیں۔ ان کے تخیئل کی پرواز، اس حد سے بلند نہیں ہونے پاتی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ انسانی شخصیت کی درست اور جامع تفہیم کے لیے محض اتنی بلندی پرواز کافی نہیں بلکہ یہ معرفت ضروری ہے کہ انسان اللہ کا عبد اور زمین میں اس کا خلیفہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس معرفت کے حصول کے لیے عالمِ غیب کی حقیقتوں کو تسلیم کرنا لازمی شرط ہے۔ جو افراد غیب کا انکار کردیں وہ لازماً انسانی شخصیت کی صحیح معرفت سے محروم رہیں گے، چنانچہ انسانوں کی تربیت اور انسانی شخصیت کے ارتقاء کے لیے جو منصوبہ بھی وہ بنائیں گے وہ ناقص ہوگا۔ اور تعلیم و تربیت کی ضرورت کو پورا نہ کرسکے گا۔ اس موضوع پر غور کرتے ہوئے چند بنیادی سوالات سے تعرض ضروری ہے: (الف) غیب سے کیا مراد ہے؟ (ب) حقائقِ غیب کے سلسلے میں درست علمی رویہ کیا ہے؟ (ج) عبد اور عبادت کا کیا مفہوم ہے؟ (د) زمین کی خلافت سے کیا مراد ہے؟ (ہ) غیب کے سلسلے میں مختلف رویوں کے انسانی شخصیت پر کیا اثرات پڑتے ہیں؟ غیب کا مفہوم: جو کائنات ہمارے گرد و پیش موجود ہے، اس کے بارے میں قرآن بتاتا ہے کہ انسانی قوتِ ادراک کے اعتبار سے کائنات کے دو پہلو ہیں، عالمِ غیب اور عالمِ شہادت۔ قرآن مجید میں ہے: هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ o (الحشر: 22) ”وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پوشیدہ (غیب) اور ظاہر (شہادت) کا علم رکھنے والا ہے۔ وہ بڑا مہربان اور انتہائی رحم کرنے والا ہے۔“ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے کامل علم کا تذکرہ کیا گیا ہے، جو عالمِ غیب اور عالمِ شہادت دونوں کو محیط ہے۔ اب جہاں تک انسانوں کا تعلق ہے، اُن کے بارے میں قرآن بتاتا ہے کہ سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں، وہ ذرائع ہیں جو انسان کو علم حاصل کرنے کے لیے دیے گئے ہیں: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا o (بنی اسرائیل: 36) ”اور کسی ایسی بات کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہیں۔ بے شک کان، آنکھ اور دل، ان سب کی باز پرس ہونی ہے۔“ انسان کو سننے، دیکھنے، سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی صورت میں پانچ حواس حاصل ہیں، ان میں اوّل الذکر دو، جو سب سے نمایاں ہیں، اُن کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے۔ انسان اشیاء کے وجود اور اُن کی خصوصیات کے ادراک کے لیے سمع و بصر کے

ذرائع کو استعمال کرتا ہے پھر فواد (جو انسان کی ذہنی قوتوں کا مرکز ہے) ان ابتدائی معلومات کو ترتیب دے کر انسان کے لیے قابلِ فہم اور قابلِ بیان بنا دیتا ہے۔ اس تشریح سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جو حقائق، حواس کے دائرہ ادراک سے باہر ہیں، اُن کے بارے میں انسان کوئی علم اپنے حواس کے ذریعے حاصل نہیں کر سکتا۔ بالفاظِ دیگر حواس کے ذریعے حاصل اور فواد کے ذریعے مرتب ہونے والے علم کا تعلق کائنات کے اُس پہلو سے ہے، جسے عالمِ شہادت کہا گیا ہے۔ اس عالمِ شہادت کے علاوہ کائنات کے وہ سارے پہلو، جو انسان کے حواس کی گرفت میں نہیں آتے، وہ سب انسان کے لیے ''غیب'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے قرآنِ مجید میں پچھلی قوموں کے واقعات کو بھی غیب کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گرچہ پچھلی قوموں کے آثار دنیا میں موجود ہیں لیکن بہر حال ان کے احوال، براہِ راست ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں۔ اس کی مثال حضرت مریمؑ کا واقعہ ہے۔ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن مجید کہتا ہے: ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ O (آل عمران: 44) ''یہ غیب کی خبریں ہیں جو (اے نبی ﷺ) ہم تم کو وحی کے ذریعے سنا رہے ہیں، ورنہ تم اس وقت موجود نہ تھے، جب وہ لوگ (یعنی بنی اسرائیل کے معاملات کے ذمہ دار افراد) اپنے قلم ڈال (کر قرعہ اندازی کر) رہے تھے، یہ طے کرنے کے لیے کہ مریم کی پرورش کون کرے۔ اور تم اس وقت موجود نہ تھے، جب اس سلسلے میں ان لوگوں میں اختلاف برپا تھا۔'' غیب کے سلسلے میں درست رویہ: عالمِ غیب سے انسان کو ہمیشہ دلچسپی رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے تجسس کا دائرہ محض دکھائی دینے والی اشیاء تک محدود نہیں رہتا، بلکہ وہ مخفی اور بالاتر حقائق کو بھی جاننا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ بسا اوقات اُن ذرائع پر بھی اعتماد کر لیتا ہے جو درحقیقت اعتماد کے قابل نہیں ہوتے۔ قرآنِ مجید بتاتا ہے کہ بعض شیاطینِ جن، فرشتوں کی مجلس کے قریب پہنچ کر کچھ جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی کبھی (مشیتِ الٰہی کے تحت) ایک آدھ بات اُن کی گرفت میں آ بھی جاتی ہے۔ ان ادھوری معلومات کو وہ (شیاطینِ انس میں سے) اپنے دوست کاہنوں کے سپرد کرتے ہیں۔ یہ کاہن ان معلومات کے ذریعے سے کہانت کا کاروبار جماتے ہیں اور ناواقف انسانوں کا استحصال بھی کرتے ہیں اور انھیں گمراہی میں بھی ڈالتے ہیں: اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ الْکَوَاکِبِ O وَحِفْظًا مِّنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ O لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاِ الْاَعْلٰی وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ O دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ O اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ۔ (الصافات: 6-10) ''ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین کیا اور ہر سرکش شیطان (جن) سے اس کو محفوظ کر دیا۔ یہ شیاطین، ملاءِ اعلیٰ کی کوئی بات نہیں سن سکتے اور ہر طرف سے پھٹکارے اور بھگائے جاتے ہیں اور ان کے لیے ہمیشگی کا عذاب ہے۔ الا یہ کہ ان میں سے کوئی ایک آدھ بات اچک لے۔ تو پھر ایک روشن شعلہ اس کا تعاقب کرتا ہے۔'' خود جنوں نے اپنی ان سرگرمیوں کا اعتراف کیا ہے: وَاَنَّهٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا O وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا کَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا۔ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُهُبًا۔ وَّاَنَّا کُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا (الجن: 6-9) ''(جنوں نے کہا کہ) بہت سے انسان،

جنوں کی پناہ لیتے تھے تو پھر جن اور زیادہ سرکشی کرنے لگے۔ ان (انسانوں) کا یہ بھی خیال تھا جیسا کہ تمہارا (یعنی جنوں کا) خیال تھا کہ اللہ کسی مخلوق کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا۔ اور ہم نے آسمان کو ٹٹول کر دیکھا (تاکہ حسبِ معمول کچھ غیبی خبریں جاننے کی کوشش کریں) لیکن ہم نے اس میں سخت پہرہ پایا اور انگارے دیکھے۔ پہلے ہم گھات لگا کر (غیبی خبریں) سننے کے لیے بیٹھتے تھے لیکن اب ہم میں سے کوئی کچھ سننا چاہتا ہے تو ایک روشن شعلے کو اپنی راہ میں حائل پاتا ہے۔'' قرآنِ مجید کی ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہوا تو شیاطینِ جن کی دوڑ دھوپ پر (جو وہ غیبی خبریں جاننے کی غرض سے فرشتوں کی مجلس تک پہنچنے کے لیے کرتے تھے) سخت پابندی لگا دی گئی اور اُن کے لیے ایک آدھ بات اچک لے جانا بھی ممکن نہ رہا۔ البتہ نزولِ وحی سے قبل (اور آپ نبی ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد) شیاطینِ جن کے لیے کچھ ادھوری معلومات کا حصول ممکن تھا جن کو وہ کاہنوں کے حوالے کرتے تھے۔ امورِ غیب کے سلسلے میں تین رویے ممکن ہیں: (الف) غیب کا انکار (ب) غیب کے حقائق جاننے کے لیے شیاطین پر (مثلاً کاہنوں پر) اعتماد (جو شیاطین جن سے حاصل شدہ ادھوری معلومات کے ساتھ اپنی من گھڑت باتیں ملا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں) (ج) انبیاء علیہم السلام پر ایمان۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ صرف تیسرا رویہ معقول ہے۔ ہدایت صرف اُن کو مل سکتی ہے جو غیب پر ایمان لائیں: الم o ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ o الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ o (البقرۃ: 1-3) ''الف لام میم۔ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے اُن پرہیزگار لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے اُن کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' غیب پر ایمان کی تشریح کرتے ہوئے جناب شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: ''(ہدایت پانے والے افراد ایسے ہیں کہ) جو چیزیں اُن کی عقل و حواس سے مخفی ہیں (جیسے جنت، دوزخ، ملائکہ وغیرہ) اُن سب کو اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد کی وجہ سے حق اور یقینی سمجھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان امورِ غیبیہ کا منکر، ہدایت سے محروم ہے۔'' عبد اور عبادت: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی محققانہ تصنیف ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' میں عبادت کے مفہوم کے سلسلے میں نفیس بحث کی ہے۔ اس بحث کا مطالعہ عبادت کے معنی سمجھنے کے لیے بہت مفید ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں: ''مادہ 'عبد' کا اساسی مفہوم، کسی کی بالادستی و برتری تسلیم کر کے اس کے مقابلے میں اپنی آزادی و خود مختاری سے دست بردار ہو جانا، سرتابی و مزاحمت چھوڑ دینا اور اس کے لیے رام ہو جانا ہے۔ یہی حقیقت بندگی اور غلامی کی ہے۔ لہٰذا اس لفظ (عبادت) سے اولین تصور جو ایک عرب کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے، وہ بندگی و غلامی کا تصور ہے۔ اب چونکہ غلام کا اصلی کام اپنے آقا کی اطاعت و فرماں برداری ہے، اس لیے لازماً اس (غلامی) کے ساتھ ہی اطاعت کا تصور پیدا ہوتا ہے اور جب ایک غلام، اپنے آقا کی بندگی و اطاعت میں محض اپنے آپ کو سپرد ہی نہ کر چکا ہو، بلکہ اعتقاداً اس کی برتری کا قائل اور اس کی بزرگی کا معترف بھی ہو، اور اس کی مہربانیوں پر شکر و احسان مندی کے جذبے سے بھی سرشار ہو، تو وہ اس کی تعظیم و تکریم میں مبالغہ کرتا ہے۔ (چنانچہ وہ اپنے محسن آقا

کے سامنے) مختلف طریقوں سے اعترافِ نعمت کا اظہار کرتا ہے اور طرح طرح سے مراسمِ بندگی بجالاتا ہے۔ اسی کا نام پرستش ہے۔ یہ تصور، عبدیت کے مفہوم میں اس وقت شامل ہوتا ہے، جبکہ غلام کا محض سر ہی آقا کے سامنے جھکا ہوا نہ ہو، بلکہ اس کا دل بھی جھکا ہوا ہو۔" ("قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں") عبادت کے مندرجہ بالا تین مفاہیم کا جامع تذکرہ، مولانا نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں کیا ہے: "عبادت کا لفظ، عربی زبان میں تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے: (1) پوجا اور پرستش (2) اطاعت اور فرماں برداری (3) بندگی اور غلامی اس مقام پر (سورہ فاتحہ کی آیت 4 میں) تینوں معنی بیک وقت مراد ہیں یعنی ہم (سورہ فاتحہ کی تلاوت کرنے والے) تیرے ہی پرستار بھی ہیں، مطیعِ فرمان بھی اور بندہ و غلام بھی اور بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ ہم تیرے ساتھ یہ تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ واقعی حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ تعلق—صرف تیرے ہی ساتھ ہے۔ ان تینوں معنوں میں سے کسی معنی میں بھی کوئی دوسرا ہمارا معبود نہیں ہے۔" (تفہیم القرآن، سورہ فاتحہ، حاشیہ: 6) عبادت کرنے والی مخلوقات میں انسانوں کے علاوہ فرشتے اور جن بھی شامل ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات: 56) "میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔" اسی طرح عبادت کرنے والی مخلوقات (عباد) میں قرآن مجید نے فرشتوں کو شامل کیا ہے: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ o لَا يَسْبِقُونَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُونَ o يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُونَ (الانبیاء 26-28) "(یہ مشرکین) کہتے ہیں کہ "رحمان، اولاد رکھتا ہے۔" سبحان اللہ! وہ (یعنی فرشتے) تو بندے (عباد) ہیں، جنھیں عزت دی گئی ہے۔ اس کے حضور بڑھ کر نہیں بولتے اور بس اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ ان (فرشتوں) کے سامنے ہے اسے بھی وہ (اللہ) جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے، اس سے بھی وہ باخبر ہے۔ وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے سوائے اس کے، جس کے حق میں سفارش سننے کے لیے اللہ راضی ہو۔ اور وہ اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں۔" خلافت: البتہ یہ خصوصیت صرف انسان کو حاصل ہے کہ وہ عبد (بندے) ہونے کے علاوہ زمین میں اللہ کا خلیفہ بھی ہے: وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o الانعام: 165) "وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا، اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے دیے، تاکہ) جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بے شک تمہارا رب سزا دینے میں بہت تیز ہے اور بہت درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا بھی ہے۔" خلافت کے مفہوم کے مختلف پہلوؤں کو اہلِ علم نے اس طرح بیان کیا ہے: (1) "وہ (خلیفہ) میرا نائب ہوگا کہ اپنے احکامِ شرعیہ کے اجزاء و نفاذ کی خدمت اس کے سپرد کروں گا۔" (مولانا اشرف علی تھانویؒ) (2) "عبادت میں ملائکہ اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ معصوم ہیں۔ مگر علم میں چونکہ انسان سے کم ہیں، اس لیے مرتبہ خلافت انسان ہی کو عطا ہوا۔ عبادت تو خاصہ مخلوقات ہے، خدا کی صفت نہیں۔ البتہ علم، خدائے تعالیٰ کی صفتِ اعلیٰ ہے، اس لیے قابلِ خلافت انسان ہوئے۔ کیونکہ ہر خلیفہ میں

اپنے ''متخلف عنہ'' کا کمال ہونا ضروری ہے۔'' (مولانا شبیر احمد عثمانیؒ)(3) ''خلیفہ (سے مراد ہے) وہ جو کسی کی ملک میں اُس کے تفویض کردہ اختیارات کو اُس کے نائب کی حیثیت سے استعمال کرے۔ خلیفہ، مالک نہیں ہوتا بلکہ اصل مالک کا نائب ہوتا ہے۔اس کے اختیارات ذاتی نہیں ہوتے، بلکہ مالک کے عطا کردہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے منشا کے مطابق کام کرنے کا حق نہیں رکھتا، بلکہ اس کا کام مالک کے منشا کو پورا کرنا ہوتا ہے۔'' (مولانا سید ابوالا علیٰ مودودیؒ)(4) ''خلیفۃ اللہ فی الارض'' کے معنی ہوں گے کہ اللہ کے دیے ہوئے اختیارات اس کی مرضی کے مطابق، انسان استعمال کرے، تاکہ دنیا امن وسکون کا گہوارہ بن جائے۔'' (حافظ صلاح الدین یوسف)انسانی شخصیت کے ارتقاء اور تکمیلِ ذات کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی دونوں حیثیتوں کے تقاضے پورے کرے۔ عبد ہونے کے بھی اور زمین میں خلیفہ ہونے کے بھی۔ انکارِ غیب کے مہلک نتائج: کتابِ ہدایت ـــــ قرآنِ مجید، کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان ـــــ غیب پر ایمان لائے۔ جناب سید ابوالا علیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں: ''غیب سے مراد وہ حقیقتیں ہیں جو انسان کے حواس سے پوشیدہ ہیں اور کبھی، براہِ راست عام انسانوں کے تجربہ ومشاہدہ میں نہیں آتیں، مثلاً خدا کی ذات وصفات، ملائکہ، وحی، جنت، دوزخ وغیرہ۔ ان حقیقتوں کو بغیر دیکھے ماننا اور اس اعتماد پر ماننا کہ نبی، ان کی خبر دے رہا ہے، ایمان بالغیب ہے۔ جو شخص ان غیر محسوس حقیقتوں کو ماننے کے لیے تیار ہو، صرف وہی قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ رہا وہ شخص جو ماننے کے لیے دیکھنے اور چکھنے اور سونگھنے کی شرط لگائے، اور جو کہے کہ میں کسی ایسی چیز کو نہیں مان سکتا، جو ناپی اور تولی نہ جا سکتی ہو تو وہ اس کتاب سے ہدایت نہیں پا سکتا۔'' (تفہیم القرآن، سورہ البقرۃ، حاشیہ 4)عالمِ غیب کی اعلیٰ ترین حقیقت خود اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآنِ مجید بتاتا ہے کہ اللہ کو بھول جانا، انسان کے لیے تباہ کن ہے: وَلَاتَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (الحشر: 19) ''ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انھیں خود اپنا نفس بھلا دیا۔ یہی لوگ فاسق ہیں۔'' جناب صلاح الدین یوسف، اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اللہ نے... انہیں ایسا کر دیا کہ وہ ایسے کاموں سے غافل ہوگئے، جن میں ان کا فائدہ تھا اور جن کے ذریعے وہ اپنے نفسوں کو عذابِ الٰہی سے بچا سکتے تھے۔ یوں انسان، خدا فراموشی سے خود فراموشی تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی عقل، اس کی صحیح رہنمائی نہیں کرتی۔ آنکھیں اس کو حق کا راستہ نہیں دکھاتیں اور اس کے کان، حق کے سننے سے بہرہ ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً اس سے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں، جن میں اس کی اپنی تباہی وبربادی ہوتی ہے۔'' جناب شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: ''جنھوں نے اللہ کے حقوق بھلا دیے، اس کی یاد سے غفلت اور بے پروائی برتی۔ اللہ نے خود اُن کی جانوں سے اُن کو غافل اور بے خبر کر دیا کہ آنے والی آفات سے اپنے بچاؤ کی کچھ فکر، انھوں نے نہ کی اور نافرمانیوں میں غرق ہو کر دائمی خسارے اور ابدی ہلاکت میں پڑ گئے۔'' مولانا سید ابوالا علیٰ مودودیؒ، سورہ حشر کی مندرجہ بالا آیت کی تشریح اس طرح کرتے ہیں: ''خدا فراموشی کا لازمی نتیجہ، خود فراموشی ہے۔ جب آدمی یہ بھول جاتا ہے کہ وہ کسی کا بندہ ہے تو لازماً وہ دنیا میں اپنی ایک غلط حیثیت متعین کر بیٹھتا ہے اور اس کی ساری زندگی اسی بنیادی غلط

فہمی کے باعث غلط ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسی طرح جب وہ یہ بھول جاتا ہے کہ وہ ایک خدا کے سوا، کسی کا بندہ نہیں ہے تو وہ اس ایک کی بند گی تو نہیں کرتا (جس کا وہ در حقیقت بندہ ہے) اور ان بہت سوں کی بند گی کرتا رہتا ہے، جن کا وہ فی الواقع بندہ نہیں ہے۔ یہ ایک عظیم اور ہمہ گیر غلط فہمی ہے جو اس کی ساری زند گی غلط کر کے رکھ دیتی ہے۔ انسان کا اصل مقام، دنیا میں یہ ہے کہ وہ بندہ ہے، آزاد وخود مختار نہیں ہے اور صرف ایک خدا کا بندہ ہے، اس کے سوا کسی اور کا بندہ نہیں ہے۔ جو شخص اس بات کو نہیں جانتا، وہ حقیقت میں خود اپنے آپ کو نہیں جانتا۔ اور جو شخص، اس (حقیقت کو) جاننے کے باوجود، کسی لمحہ بھی اسے فراموش کر بیٹھتا ہے، اسی لمحے کوئی ایسی حرکت، اس سے سرزد ہو سکتی ہے جو کسی منکر یا مشرک یعنی خود فراموش انسان ہی کے کرنے کی ہوتی ہے۔ صحیح راستے پر انسان کے ثابت قدم رہنے کا پورا انحصار اس بات پر ہے کہ اسے خدا یاد رہے۔ اس سے غافل ہوتے ہی وہ اپنے آپ سے غافل ہو جاتا ہے اور یہی غفلت اسے فاسق بنا دیتی ہے۔" (تفہیم القرآن، سورہ الحشر، حاشیہ: 30) جو لوگ فی الواقع، انسانوں کی صحیح تعلیم و تربیت کے خواہش مند ہیں، ان کو چاہیے کہ ایمان بالغیب کی ناگزیریت سے عالمِ انسانیت کو آگاہ کریں۔ جب انسان خدا کے بندے ہونے اور زمین میں خلیفہ ہونے کے تقاضے جان لیں گے، تبھی ان کی شخصیت کا متوازن ارتقا ہو سکے گا اور تکمیلِ ذات کی طرف وہ قدم بڑھا سکیں گے۔ شیئر کیجیے

مکمل تحریر ⇨ http://mazameen.com/?p=28628